شیخ عنایت اللہ ایم اے۔ پی ایچ ڈی

کاغذ کا رواج تاریخ کی روشنی میں

عالم اسلام میں نوشت و خواند کے لیے بالعموم دو چیزیں مستعمل رہی ہیں۔ اول قرطاس اور دوسرے کاغذ۔ اکثر لوگوں نے خصوصاً متاخرین نے قرطاس اور کاغذ کو ایک دوسرے کا مترادف سمجھ لیا ہے۔ چنانچہ قرآن پاک کے اردو اور انگریزی تراجم میں قرطاس کا ترجمہ کاغذ یا پارچمنٹ (یعنی چمڑا) کیا گیا ہے جو درست نہیں۔ یہ دونوں چیزیں اپنی اصل اور ساخت و ترکیب اور تاریخ کے لحاظ سے ایک دوسرے سے بالکل الگ ہیں۔ قرطاس تو نہایت قدیم الایام سے مصر میں فافیر یعنی بَردی کے پودے کے گودے سے تیار ہوتا تھا اور مسلمان اپنے دور حضارت میں نوشت و خواند کے سلسلہ میں پہلے پہل اسی سے آشنا ہوئے اور اسے دو تین سو سال تک استعمال کرتے رہے۔ مگر اس کے برعکس مروّجہ کاغذ چین میں پہلی صدی عیسوی میں ایجاد ہوا اور آٹھویں صدی عیسوی (مطابق دوسری صدی ہجری) میں ترکستان اور خراسان کے راستے سے اسلامی دنیا میں داخل ہوا اور اس کے روز افزوں رواج سے قرطاس کا استعمال ہر جگہ متروک ہو گیا۔ مقالہ ہذا کے پہلے حصے میں قرطاس اور دوسرے میں کاغذ کے متعلق چند ضروری معلومات ناظرین کرام کی ضیافت طبع کے لیے پیش کی جاتی ہیں۔

قرطاس

مٹی کے کتبے

قرطاس خاص مصر کی پیداوار تھا اس لحاظ سے کہ وہ مصر ہی میں تیار ہوتا تھا اور لکھنے

کے کام میں آتا تھا۔ ابن الندیم نے (کتاب الفہرست مطبوعہ مصر ص ۲۱) لکھا ہے کہ کتب اہل مصر فی القرطاس المصری ویعمل من قصب البردی۔ اسی طرح ابوالریحان البیرونی (متوفی ۴۴۰ھ) نے کتاب الہند میں تحریر کیا کہ ان القرطاس معمول بمصر من لب البردی یبری فی لحمہ وعلیہ صدرت کتب الخلفاء الی قریب من زماننا (یعنی قرطاس مصر میں بردی کے گودے کو کاٹ کر بنایا جاتا تھا اور ہمارے قریبی زمانے تک خلفاء کے فرامین اسی قرطاس پر صادر ہوتے رہے ہیں)۔

اس کے برعکس بابل اور اشور (Assyria) کی قدیم مملکتوں کے رہنے والے لکھنے کے لیے مٹی کی چوڑی چوڑی اینٹیں یا الواح استعمال کرتے تھے۔ جب یہ تختیاں ابھی گیلی ہوتیں تو جو کچھ لکھنا مقصود ہوتا نئے کے قلم سے ان پر نقش ڈال لیتے۔ اس طریق سے یہ تحریر ایک پائیدار صورت اختیار کر لیتی تھی۔ لوح پر نوک قلم کے دبانے سے حروف کی جو شکل بنتی تھی وہ فانہ یا میخ کی مانند نظر آتی تھی۔ اس لیے اس بابلی خط کو عام طور پر خط میخی یا مسماری (Cuneiform) کہا جاتا ہے۔ عہد حاضر میں مغربی علماء نے قدیم آثار کی تلاش میں بابل اور اس کے نواح کے دوسرے شہروں میں کھدائی کی تو انھیں کھنڈروں میں اس قسم کی ہزاروں تختیاں ملیں۔ ان میں سرکاری فرمان، نجی خطوط، بیع نامے، رسیدیں، حساب کی یادداشتیں، غرض ہر قسم کی دستاویزیں پائی گئی ہیں جن سے اس زمانے کی تاریخ و تمدن پر نہایت دلچسپ روشنی پڑتی ہے۔ شہر نینوی کے شاہی محلات کے کھنڈروں میں اس قسم کا ایک پورا کتب خانہ دستیاب ہوا ہے۔

ظاہر ہے کہ لکھنے پڑھنے کا یہ طریقہ بڑا بھدا تھا۔ اس لیے دنیا کو کسی ایسے سامانِ نوشت کی ضرورت تھی جو اینٹ کی طرح بھاری اور بھدا نہ ہو۔ چنانچہ مصر کے قدیم لوگوں نے بردی کے پودے سے از قسم ورق ایک نئی چیز ایجاد کی جو لکھنے کے لیے مٹی کی الواح کے مقابلے میں بہت زیادہ موزوں تھی۔ اس ورق کو یونانیوں نے Papyros اور

عربوں نے قرطاس کہا ہے۔

قرطاس بنانے کا طریق

بَردی مصر کا ایک خاص پودا ہے جو قدیم زمانے میں دلدلوں اور تالابوں میں بکثرت پیدا ہوتا تھا اور جو اب بھی امراء مصر کے باغات کی زینت ہے۔ یہ پودا آٹھ دس فٹ کی بلندی تک بڑھتا ہے۔ اس کا تنا تکون شکل کا اور موٹائی میں انسان کی کلائی کے برابر ہوتا ہے۔ اس میں بانس کی طرح گرہیں نہیں ہوتیں بلکہ سرکنڈے کی مثل گودا ہوتا ہے اس سے ورق تیار کرنے کا جو طریقہ قدیم مصریوں کے ہاں رائج تھا، اس کا ذکر رومی مصنف پلینی (Pliny متوفی ۷۹ء) نے اپنی نیچرل ہسٹری میں کیا ہے۔ نیز ابوالعباس النباتی کی زبان سے ابن البیطار کی مفردات (صفحہ ۸۷) میں بھی منقول ہے۔ ان کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ قدیم مصری اس پودے کے تنے سے ایک ایک فٹ لمبے ٹکڑے کاٹ لیتے اور ان کو لمبائی کے رخ دو حصوں میں شق کر کے پانی میں ڈال دیتے تھے۔ نرم ہونے پر ان کے پتلے پتلے قتلے کاٹتے اور انھیں لکڑی کی ایک صاف تختی پر ساتھ ساتھ بچھا دیتے تھے۔ پھر اس پر گوند پھیلا کر اسی قسم کے قتلوں کی ایک اور تہہ ان کے عرض میں بچھا دیتے۔ اگر موٹا ورق درکار ہوتا تو ایک تیسری تہہ چڑھا دیتے۔ جب قدرے سوکھ جاتے تو لکڑی کے ہتھوڑے سے اس پر ہلکی ہلکی ضربیں لگاتے جس سے اس کا کھردراپن دور ہو جاتا۔ یا اسے شکنجہ میں دبا کر ہموار کر لیتے اور مُہرہ سے گھوٹ کر ملائم بنا لیتے تھے۔ جو ورق مہرہ سے گھوٹ کر ملائم کیا جاتا اُسے عرب مصنفوں نے مُہرق کہا ہے۔ ابن البیطار (متوفی ۶۴۶ھ) نے اپنی کتاب الجامع لمفردات الادویہ والاغذیہ (مطبوعہ بولاق ۱۲۹۲ھ) میں سلیمان بن حسان کی روایت سے بردی کے ذیل میں یوں لکھا ہے:

ان اھل مصر تعرفه باسم الفافیر و	اہل مصر کے ہاں بردی فافیر کے نام سے مشہور ہے
هو نبات یوجد فی الماء۔ له ورق	یہ ایک پودا ہے جو پانی میں پایا جاتا ہے اس کا ورق

كخوص النخل وله ساق طويلة خضراء مائلة الى البياض ويتخذ من هذا النبات كاغذ ابيض يقال له القرطاس فمتى قيل فى الطب قرطاس محرقا فانّما يراد به القرطاس الذى يكون من البرديّ۔

کھجور کے پتے کی شکل ہوتا ہے۔ اس کا تنا لمبا ہوتا ہے اور رنگت میں سبز سفیدی مائل۔ اس پودے سے سفید رنگ کا کاغذ بناتے ہیں جس کو قرطاس کہتے ہیں۔ جب علم طب میں قرطاس مہرق کا ذکر آئے تو اس سے وہی قرطاس مراد ہے جو بُردی کے پودے سے بنتا ہے۔

مندرجہ بالا عبارت کتاب الجامع کے مطبوعہ اڈیشن سے ماخوذ ہے مگر اس نسخہ میں دو لفظ غلط چھپ گئے ہیں۔ غافر کی بجائے فافر یا فافیر پڑھنا چاہیے۔ اور محرق کی بجائے مہرق۔ لفظ محرق سے الجامع کے فرانسیسی مترجم موسیو لاکلارک (Leclerc) نے بھی دھوکہ کھایا ہے اور اس کا ترجمہ Brûlé کیا ہے۔

فافیر

ابن البیطار نے بردی کا قدیم مصری نام فافیر لکھا ہے۔ مگر ابن حوقل نے اس کا نام بابیر یا بیبر بتایا ہے۔ دراصل یہی وہ قدیم مصری نام ہے جسے یونانیوں نے Papyros اور رومیوں نے Papyrus کی صورت میں لکھا تھا۔ قیاس چاہتا ہے کہ اصل مصری نام میں غالباً پ ہو گی جسے یونانیوں نے P سے ادا کر دیا مگر عربی حروف ہجا میں پ مفقود ہے اس لیے عربی املا میں اس کی جگہ ف یا ب نے لے لی۔ Papyros کے آخر میں جو S زائد ہے وہ لاطینی قواعد کی رو سے اسم کی حالت فاعلی کو ظاہر کرتا ہے۔ Papyrus دراصل پودے کا نام تھا پھر یہی لفظ اس ورق کے لیے بھی استعمال ہونے لگا جو اس سے بنایا جاتا تھا۔

قرطاس

فافیر یا بُردی سے جو ورق تیار ہوتا تھا وہ نہ صرف مصر میں لکھنے کے کام آتا تھا، بلکہ بیرونی ملکوں میں بھی بکثرت برآمد کیا جاتا تھا۔ قدیم عرب بھی اس ورق سے آشنا تھے اور

اسے قرطاس کہتے تھے۔ قرطاس کے قاف پر تینوں حرکات آئی ہیں۔ یہ لفظ الاعشیٰ اور دوسرے جاہلی شعراء کے کلام میں ملتا ہے اور قرآن پاک (سورۃ الانعام آیت ۷) میں بھی اس کا یوں ذکر آیا ہے: ولو نزلنا علیک کتابا فی قرطاس فلمسوہ بایدیھم لقال الذین کفروا ان ھذا الا سحر مبین ○ پھر آگے چل کر آیت ۹۱ میں بصورت جمع استعمال ہوا ہے قل من انزل الکتاب الذی جاء بہ موسیٰ نورا وھدیً للناس تجعلونہ قراطیس تبدونھا وتخفون کثیراً ○

مذکورہ بالا آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ ظہور اسلام کے وقت بلاد عرب میں یا کم از کم حجاز میں لوگ لفظ قرطاس سے آشنا تھے اور یہود کے مذہبی نوشتے اسی پر لکھے جاتے تھے۔ ابوریحان بیرونی نے اس ضمن میں صراحت کر دی ہے کہ قراطیس سے مراد طوامیر (یعنی Rolls) ہیں۔ اور قرطاس کے بارے میں یہ کہہ کر مزید وضاحت کر دی ہے کہ ان القرطاس معمول بمصر من لب البردی۔ یعنی قرطاس مصر میں بردی کے گودے سے بنتا تھا۔

الجوالیقی نے المعرّب میں اور جلال الدین السیوطی نے الاتقان میں قرطاس کے بارے میں تصریح کر دی ہے کہ یہ لفظ ٹھیٹھ عربی نہیں ہے بلکہ معرّب ہے۔ اگرچہ وہ اس کی اصل نہیں بتا سکے۔ مگر حال کے علماء مثلاً زخاؤ وغیرہ کا یہ قول درست معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اصل یونانی Charths ہے۔ قرطاس کا لفظ ارمنی (Armenian) اور آرامی (Aramaean) زبانوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ عربوں نے اسے آرامی کے واسطہ سے لیا ہو جو ظہور اسلام سے پہلے فلسطین اور شام میں بولی جاتی تھی یا اسے براہِ راست یونانی سے اخذ کیا ہو۔

اس موقعے پر ناظرین کرام کے دل میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ عربوں نے اس ورق کے لیے یونانی نام کیوں اختیار کیا جس کا ماخذ مصر تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب اسکندر اعظم نے مصر فتح کیا اور اس کی وفات کے بعد اس کے جرنیل بطلیموس (Ptolemy) نے

وہاں اپنی حکومت قائم کی تو یونانی زبان نے مصر میں سرکاری حیثیت اختیار کر لی تھی۔ بہت سے یونانی اسکندریہ اور مصر کے دوسرے شہروں میں کثرت سے آباد ہو گئے تھے اور ہر طرف یونانی تہذیب و تمدن کا غلبہ ہو رہا تھا۔ یونانیوں کے بعد جب اہل روما نے مصر پر قبضہ کیا تو اہل یونان کا علمی اور ثقافتی تسلط بدستور قائم رہا۔ اندریں حالات عربوں نے مصری ورق کے لیے اگر یونانی لفظ اختیار کیا تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

طومار

قرطاس کا عرض بالعموم ۹ انچ اور طول زیادہ سے زیادہ ۱۵ انچ ہوا کرتا تھا۔ لمبی تحریر کے لیے قرطاس کے ایک ورق کے ساتھ دوسرا ورق جوڑ دیتے تھے۔ اس طریق سے بیس بیس اوراق کا ایک سلسلہ تیار ہو جاتا تھا جسے طومار کہتے تھے۔ اور جسے آج کل انگریزی میں Roll یا Scroll کہا جاتا ہے۔ طومار کی جمع طوامیر آتی ہے۔ طومار کو عربوں نے دَرْج بھی کہا ہے۔

کُرّاسہ

کبھی قرطاس کے اوراق کو اوپر تلے رکھ کر ایک پلندہ تیار کر لیتے اور اس میں سے ڈوری گزار کر تمام اوراق کو یکجا جمع کر لیتے، اس قسم کے پلندے کو کرّاسہ کہتے تھے۔ کرّاسہ آرامی زبان کا لفظ ہے۔

بَردی

عربوں نے فافیر (Papyrus) کے پودے کو بَردی کہا ہے۔ صاحب تاج العروس نے بذیل مادہ برد تصریح کر دی ہے کہ بَردی کا تلفظ فتحہ کے ساتھ ہے۔ جب Papyrus کے پودے کا عربی نام بَردی ٹھہرا تو اس مناسبت سے اس کا ورق، ورق البردی کہلایا۔ لہذا عربوں کے ہاں قرطاس کا دوسرا نام ورق البردی ہے۔ کبھی اختصار کے خیال سے ورق البردی کو محض بَردی کہہ دیتے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی شخص یہ کہے کہ کتب علی البردی۔ تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ فلاں

شخص نے ورق البردی یعنی قرطاس پر لکھا ــــ قرطاس کو ورق القصب بھی کہا گیا ہے۔

جب عربوں نے مصر فتح کیا تو اس کے بعد بھی مصری لوگ بردی کی کاشت کرتے رہے اور اس سے قرطاس بناتے رہے۔ یہاں تک کہ دوسری اور تیسری صدی ہجری کے دوران میں کاغذ نے رفتہ رفتہ اس کی جگہ لے لی، اور چوتھی صدی میں تو قرطاس کا استعمال بالکل متروک ہو گیا۔

تیسری صدی ہجری کی ابتدا میں جب عربوں نے صقلیہ (Sicily) فتح کیا تو انھوں نے بردی کی کاشت کو وہاں بھی رواج دیا۔ چنانچہ ابن حوقل جب چوتھی صدی ہجری میں صقلیہ پہنچا تو اس نے دیکھا کہ شہر بلرم (Palermo) کے نواح میں بردی بکثرت اگتا ہے۔ شہر سرقوسہ (Syracusa) کے نزدیک یہ پودا اب بھی پایا جاتا ہے۔ اور بعض لوگوں نے عہد حاضر میں ازراہ تفنن اس سے ورق تیار کرنے کی کوشش کی ہے جو قدیم زمانے کے قرطاس سے ملتا جلتا ہے۔ اسکندریہ میں بھی مقامی بردی سے قرطاس سازی کا تجربہ کیا گیا ہے۔

قرطاس کے دفینے

گزشتہ سو یا ڈیڑھ سو سال کے عرصے میں مصر میں قرطاس کے بہت سے دفینے دریافت ہوئے ہیں۔ مصر کی زمین بالعموم ریتلی ہے اور آب و ہوا خشک۔ اس لیے بعض قرطاس بڑی اچھی حالت میں پائے گئے ہیں۔ ابتدا میں قرطاس کے دفینے اتفاقی طور پر دریافت ہوئے تھے مگر جب علما نے ان کا مطالعہ کیا اور انھیں اس بات کا احساس ہوا کہ ان سے قدیم زمانے کے متعلق ہر قسم کی قیمتی معلومات حاصل ہو سکتی ہیں تو قراطیس کی تلاش منظم طریقوں سے ہونے لگی، اور غیر ملکوں سے علما کی جماعتیں ان کی دریافت کے لیے وقتاً فوقتاً مصر میں وارد ہونے لگیں۔ چنانچہ ممفس، ثیبہ، فیوم، ادفو اور بہنسا وغیرہ متعدد مقامات میں بہت سے دفینے ملے اور ان سے ہزاروں کی تعداد میں قراطیس حاصل ہوئے جو یورپ اور امریکہ کے عجائب خانوں میں

دیگر آثار قدیمہ کے ساتھ ساتھ محفوظ کر لیے گئے ہیں۔ ان قرطاسوں کا تعلق تاریخ کے مختلف زمانوں سے ہے۔ بعض قدیم مصری زبان میں ہیں۔ بعض یونانی اور بعض عربی ہیں۔

قراطیس کے مطالعہ نے علمی دنیا میں اب ایک مستقل فن کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ جسے انگریزی میں Papyrology اور جرمن زبان میں Papyrusforschung کہتے ہیں۔ بعض علماء نے اس فن میں تخصص پیدا کیا ہے جن کی تحقیقات کے نتائج ایسے رسائل اور جرائد میں شائع ہوتے ہیں جو اس موضوع کے ساتھ مخصوص ہیں۔

عربی قراطیس کا علمی مطالعہ سب سے پہلے فرانس کے مشہور مستشرق وساسی (Sil-vestre de Sacy) متوفی ۱۸۳۸ء نے کیا۔ جو قرطاس اس نے شائع کیے وہ ۱۸۲۵ء میں سقارہ کے قریب دیرالوہرمیس سے ملے تھے۔ اس کے بعد آسٹریا کے شاہی کتب خانہ کے خازن قرہ باشق (Karabacsk) متوفی ۱۹۱۸ء نے اس موضوع پر خاص توجہ مبذول کی اور ۱۸۸۲ء اور ۱۹۰۸ء کے درمیان عربی قرطاسوں کے متعلق بہت سے قیمتی مضامین جرمن زبان میں لکھے۔

ایک جرمن کاؤنٹ رائن ہارٹ (Reinhardt) نے مصر میں بہت سے عربی قرطاس جمع کیے تھے۔ ان کو بعد ازاں شاٹ (Schott) نے ہائیڈل برگ (جرمنی) کی یونیورسٹی لائبریری میں وقف کر دیا۔ یہ مجموعہ (Schott-Reinhardt) کہلاتا ہے۔ اس میں بارہ سو کے قریب قرطاس ہیں۔ اکثر عربی میں ہیں۔ مگر بعض میں یونانی تحریریں بھی ہیں۔ پروفیسر بیکر (C.H. Becker) متوفی ۱۹۳۳ء نے اس مجموعہ کا بڑے غور سے مطالعہ کیا اور اپنی تحقیقات کے نتائج کو ۱۹۰۶ء میں ہائیڈل برگ سے ایک کتاب کی صورت میں شائع کیا۔ اور اس میں بعض قرطاسوں کے فوٹو بھی شامل کیے۔ اس میں بعض قرطاس قرّہ بن شریک والی مصر کے زمانے کے ہیں جس نے مصر پر ۹۰ھ سے لے کر ۹۶ھ تک حکومت کی۔ ذیل میں چند ایسے قرطاسوں کی عبارت درج ہے جن

ہیں مختلف مقامات کے خراج کی رقم معین کی گئی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

هذا كتاب من قرة بن شريك لاهل ازوس ماريه من القرى الشرقيه انه اصابكم من جزية سنة ثمان وثمانين دينارا وسدس دينار عددا وكتب راشد فى صفر (من سنة احدى وتسعين)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

هذا كتاب من قرة بن شريك لاهل سيوا جيا من كورة اشقوه انه اصابكم من جزية سنة ثمان وثمانين سبعة وثلاثين دينارا عددا وكتب راشد فى صفر من سنة احدى وتسعين۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

هذا كتاب من قرة بن شريك لاهل سيوا لبسيرو من كورة اشقوه انه اصابكم من جزية سنة ثمان وثمانين مائة دينار واربعة دينار واربعة دينار وثلث دينار عددا ومن ضريبه الطعام احدى عشر اردب قمح وثلث اردب وكتب راشد فى صفر من سنة احدى وتسعين۔

مصر کی سرزمین میں جو عربی قراطیس دریافت ہوئے ہیں، ان میں سرکاری کاغذات اور نجی مراسلات کے علاوہ کچھ ایسا مواد بھی ہے جس کا تعلق طب، شعر و شاعری اور حدیث نبوی کے ساتھ ہے۔ آج تک اس قسم کا جو ذخیرہ دریافت ہوا ہے، اس میں غالباً سب سے زیادہ دلچسپ اور اہم ۲۰ صفحات کا وہ صحیفہ ہے جس میں ابو محمد عبداللہ بن وہب بن

مسلم القرشی المصری (متوفی ۱۹۷ھ) کی کتاب الجامع فی الحدیث مرقوم ہے۔ یہ صحیفہ اب قاہرہ کے قومی کتب خانہ میں محفوظ ہے۔

عربی قراطیس لنڈن کے برٹش میوزیم میں بھی محفوظ ہیں، مگر ابھی تک ان میں سے بہت کم معرض اشاعت میں آئے ہیں۔ انگلستان میں عربی قرطاسوں کا ایک بڑا مجموعہ مانچسٹر کی John Rylands Library میں بھی موجود ہے۔ ۱۹۳۳ء میں پروفیسر مارگولیتھ نے ۲۴۰ صفحات میں ان کی مفصل فہرست شائع کی تھی اور اس میں قراطیس کی نقولی کی چالیس پلیٹیں بھی شامل کی تھیں۔

پراگ (Prague) یونیورسٹی کے پروفیسر اڈولف گرومان (Grohmann) ایک مدت سے عربی قرطاسوں کا بڑی محنت اور تحقیق سے مطالعہ کر رہے ہیں اور آج کل اس موضوع پر سند مانے جاتے ہیں۔ متفرق مقالات کے علاوہ انھوں نے ۱۹۲۴ء میں اس موضوع پر ایک جامع کتاب لکھی تھی۔ اور قراطیس کے بارے میں اس وقت تک جو معلومات حاصل ہو چکی تھیں، ان کو سلیقہ کے ساتھ یکجا جمع کر دیا تھا۔ پھر اسی کتاب کو انھوں نے عربی کا جامہ پہنایا اور اس کا نام "اوراق البردی باللغۃ العربیہ" رکھا۔ اس دلچسپ مضمون پر یہ ایک جامع اور مفید کتاب ہے۔

عہد قدیم کے مہذب اور متمدن ممالک میں قرطاس کو اپنے رواج عام کی بنا پر وہی اہمیت اور قدر و منزلت حاصل رہی ہے جو آج کل کاغذ کو ہے۔ ہزاروں سال تک نہ صرف خود اہل مصر قرطاس ہی پر لکھتے رہے بلکہ یہود کی مذہبی کتابیں بھی اسی پر لکھی گئیں۔ یونانیوں نے اپنا فلسفہ اور حکمت اسی قرطاس میں قلمبند کیا۔ رومیوں کے لیے بھی اس کا استعمال ناگزیر ٹھہرا۔ غرضیکہ قدیم زمانے میں زندگی کی دیگر ضروریات کی کفالت کے علاوہ علوم و فنون کی حفاظت و اشاعت میں قرطاس نے وہی کام دیا ہے جو فی زماننا کاغذ سر انجام دے رہا ہے۔ لہذا عہد قدیم کی حضارت قرطاس کی اسی طرح مرہون منت رہی ہے جس طرح

آج کل کا تمدن کاغذ کا ممنون احسان ہے۔

پارچمنٹ یعنی چمڑے کا استعمال

باوجود اپنی صفائی اور فراوانی کے قرطاس میں یہ نقص تھا کہ وہ مضبوط اور پائدار نہ تھا، اس لیے اہم دستاویزوں اور نوشتوں کے لیے قدیم زمانے کے لوگ صاف شدہ چمڑا استعمال کرتے تھے۔ خصوصاً اہل ایران اہم تحریروں کے لیے چمڑا ہی کام میں لاتے تھے۔ یہی حال یونانیوں کا تھا جیسا کہ سقراط کے ایک مقولہ سے ظاہر ہے۔ کسی نے اس سے پوچھا کہ تم نے کتابوں کی تصنیف کیوں چھوڑ دی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ "میں علم کو زندہ لوگوں کے دل و دماغ سے مردہ بھیڑ بکری کی کھال میں منتقل نہیں کروں گا"۔[1]

چمڑے کے تیار کرنے کا یہ طریقہ تھا کہ بھیڑ بکری یا بچھڑے کی کھال لے کر اس کے بال دور کرتے۔ پھر اسے چونے کے پانی میں ڈال دیتے۔ بعد ازاں خشک کر کے اس پر پسی ہوئی چاک ملتے اور پتھر کے ساتھ گھوٹ کر اس کی سطح کو صاف اور ملائم بنا لیتے تھے۔ ایشیائے کوچک کا شہر پرغامم (Perghamum) اس قسم کے چمڑے کی دباغت کے لیے خاص طور پر مشہور تھا۔ چنانچہ لکھنے کا چمڑا اسی شہر کے نام پر (Charta Perghamena) یعنی پرغامم کا ورق یا کاغذ کہلاتا تھا۔ انگریزی لفظ پارچمنٹ اسی سے ماخوذ ہے۔ جو پارچمنٹ بچھڑے کے چمڑے سے بنایا جاتا ہے اسے Vellum کہتے ہیں۔

اوائل اسلام میں بھی چمڑا لکھنے کے لیے استعمال ہوا ہے۔ مثلاً رسول اکرم صلعم نے کسریٰ کے نام جو تبلیغی مراسلہ بھیجا تھا وہ چمڑے پر مرقوم تھا۔ اسی طرح خیبر کے یہود کے ساتھ جو معاہدہ

۱۔ قال سقراط حین سئل عن ترکہ تصنیف الکتب "لست بناقل للعلم من قلوب البشر الحیۃ الی جلود الضأن المیتۃ" (کتاب الہند للبیرونی ص ۸۰)

ہوا وہ بھی چمڑے پر لکھا گیا تھا۔ قرآن مجید میں رَقّ کا جو لفظ آیا ہے اس سے لکھنے کا چمڑا ہی مقصود ہے۔ (والطور وکتاب مسطور فی رَقٍّ منشور، سورۃ الطور)۔ رَقّ کا لفظ جاہلی شعرار کے کلام میں بھی آیا ہے اور حبشہ کی زبان میں بھی اسی معنی میں ملتا ہے۔

اگرچہ پارچمنٹ یعنی لکھنے کا چمڑا مضبوط اور پائدار ہوتا تھا مگر گراں قیمت تھا، اس لیے اس کا رواج عام نہ ہو سکا۔ لہٰذا بوقت ضرورت بعض لوگ جلد یعنی چمڑے کی پہلی تحریر کو دھو کر یا چھیل کر اس پر دوسری عبارت لکھتے۔ اس قسم کے چمڑے کو جس پر ایک سے زیادہ عبارتیں یکے بعد دیگرے لکھی جائیں Palimpsest کہتے ہیں۔ اس کے لیے عربی میں طِرس کا لفظ آیا ہے۔ جس کی جمع طروس آتی ہے۔ چنانچہ ابن الندیم عباسی عہد کے متعلق لکھتا ہے کہ (اقام الناس بعد ادسنین لایکتبون الا فی الطروس لان الدواوین نہبت فی ایام محمد بن زبیدۃ وکانت فی جلود فکانت تمحی ویکتب فیہا (الفہرست ص ۳۲)

قرطاس اور پارچمنٹ کے ہوتے ہوئے بھی دنیا کو ایسے سامان نوشت کی اشد ضرورت تھی جو ارزاں اور عام ہو۔ اس ضرورت کو اہل چین نے کاغذ ایجاد کر کے پورا کیا۔

کاغذ کی ایجاد اور رواج پذیری

منجملہ ان ایجادوں کے جن کے لیے تمام دنیا اہل چین کی رہین منت ہے اور جن کے رواج عام سے علوم و فنون نے غیر معمولی اشاعت اور تہذیب و تمدن نے عظیم الشان ترقی پائی، کاغذ کی ایجاد بھی ہے۔ قدیم چینی کتابوں کے مطالعہ سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش سے تقریباً ایک سو سال بعد ایک شخص سائی لون (TS, ai Lun) نامی نے جو شاہی سلاح خانہ کا منتظم تھا، کاغذ ایجاد کیا۔ اس سے پہلے چینی لوگ بانس پر لکھتے تھے۔ پھر سفید ریشمی کپڑا استعمال کرنے لگے، لیکن ریشمی کپڑے کی

گرانی کی وجہ سے اس کا استعمال عام نہ ہو سکا۔ سائی لون نے کپڑے کے چیتھڑوں، گھاس پھوس، درختوں کی چھال اور ماہی گیروں کے پرانے جالوں سے کاغذ تیار کیا۔ اس کے اہلِ وطن نے اس ایجاد کو بہت مفید پایا اور اس کی اہمیت کو دیکھ کر موجد کی زندگی ہی میں اس کی خدمت گذاری کا کماحقہٗ اعتراف کیا۔ چنانچہ حکومت چین کی مجلس وزراء نے ۱۰۵ء میں سرکاری طور پر سائی لون کی ستائش کی۔ زمانہ مابعد میں بھی اس کی مفید ایجاد کی یاد لوگوں کے دلوں میں زندہ رہی۔ چنانچہ مدت دراز تک اس کا گھر اور وہ پتھر جس پر وہ کاغذ سازی کے لیے خام مسالہ پیسا کرتا تھا، زیارت گاہ خاص و عام رہا۔

کاغذ کے قدیم ترین نمونے

چینی کاغذ کے سب سے پرانے نمونے جو تا حال دستیاب ہوئے ہیں وہ ہیں جو سر آرل سٹائن (Sir Aurel Stein) مشرقی ترکستان سے لائے تھے اور جو لنڈن کے برٹش میوزیم میں محفوظ ہیں۔ ان کا زمانہ دوسری اور تیسری صدی مسیحی ہے اور ان پر بدھ مت کی مذہبی تحریریں پائی گئی ہیں۔ جب انھیں خردبین سے دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ اس کی ساخت میں درختوں کی چھال اور سن کے ریشے استعمال ہوئے ہیں۔

کاغذ کا رواج اسلامی ملکوں میں

عربی مصنفوں کی روایت کے مطابق جس کی تصدیق چینی تواریخ سے بھی ہوتی ہے، ایک عرب امیر زیاد بن صالح والی سمرقند نے مشرقی ترکستان میں فوج کشی کی۔ ترکوں کی امداد کے لیے ان کے حلیف چینی بھی آئے، مگر عربوں نے ان کی مجموعی فوج پر دریائے طراز کے کنارے ۱۳۴ھ میں فتح حاصل کی اور ہزیمت خوردہ دشمن کے بہت سے آدمی قید کر لیے۔ ان قیدیوں میں کچھ چینی بھی تھے۔ عربی امیر نے انھیں سمرقند بھیج دیا۔ ان چینی اسیروں میں سے بعض لوگ کاغذ بنانا جانتے تھے۔ چنانچہ ان لوگوں نے سمرقند میں کاغذ سازی کی صنعت جاری کر دی۔ غالباً اس ارادے سے کہ کچھ روپیہ پیسہ کما کر اتنی رقم جمع کر لیں کہ فاتحین کو زرفدیہ ادا کر کے

دوبارہ آزادی حاصل کر سکیں۔ بہرحال ان کے ذریعہ سے سمرقند میں کاغذسازی کی صنعت جاری ہوگئی، اور اسے وہاں بڑا فروغ حاصل ہوا۔

ابومنصور عبدالملک بن محمد الثعالبی النیشاپوری متوفی ۴۲۹ھ نے اپنی کتاب لطائف المعارف (مطبوعہ لائڈن، ۱۸۶۷ء، صفحہ ۱۲۶) میں یوں لکھا ہے:

ومن خصائص سمرقند الکواغید التی عطلت قراطیس مصر والجلود التی کان الاوائل یکتبون فیها لانها احسن وانعم وارفق وادفق ولاتکون الابها وبالصین۔ ذکر صاحب المسالک والممالک انہ وقع من الصین الی سمرقند فی سبی سباهم زیاد بن صالح من اتخذ الکواغید بها ثم کثرت الصنعة واستمرت العادة حتی صارت متجراً لاهل سمرقند فعم خیرها والارتفاق بها فی الآفاق۔

سمرقند کی خاص چیزوں میں سے مختلف اقسام کے کاغذ ہیں جن کے رواج سے مصر کے قراطیس اور وہ چمڑے متروک ہوگئے ہیں جن پر قدیم لوگ لکھا کرتے تھے۔ کیونکہ کاغذ ان کے مقابلہ میں بہتر ہے، زیادہ نرم اور ملائم ہے اور تحریر کے لیے زیادہ مناسب اور موافق ہے۔ کاغذ صرف سمرقند اور چین میں ہوتا ہے۔ المسالک اور الممالک کے مصنف نے لکھا ہے کہ امیر زیاد بن صالح چین سے سمرقند کی طرف جن قیدیوں کو پکڑ لایا تھا، ان میں بعض ایسے لوگ تھے جنھوں نے وہاں کاغذسازی شروع کردی۔ رفتہ رفتہ اس صنعت نے وہاں اتنا فروغ پایا کہ اہل سمرقند کاغذ کی تجارت کرنے لگے اور اس کا فائدہ اور استعمال تمام ملکوں میں عام ہوگیا۔

ابوالریحان البیرونی المتوفی ۴۴۰ھ نے کتاب الہند صفحہ ۸۰ میں اسی مفہوم کو ذیل کے چند مختصر الفاظ میں بیان کر دیا ہے۔

الکواغذ لاهل الصین وانما احدث صنعتها بسمرقند سبیٌ منهم ثم عمل

کاغذ اہل چین کے ساتھ مخصوص تھا اور چینی اسیر دل ہی نے اس کی صنعت کو سمرقند میں جاری کیا تھا، پھر

منہ فی بلادِ شتّیٰ فکان سبباً اداً من عوزٍ۔ دیگر مختلف ملکوں میں کاغذ بنایا گیا جس سے لوگوں کی ضرورت پوری ہوئی۔

ابوعبداللہ ذکریا بن محمدؐ قزوینی متوفی ۶۸۲ھ نے اپنی کتاب آثار البلاد و اخبار العباد (مطبوعہ گوٹنگن ۱۸۴۸ء صفحہ ۳۶۰) میں سمرقند کا ذکر کرتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے وہ بھی ثعالبی کے مندرجہ بالا بیان کے ساتھ پوری پوری مطابقت رکھتا ہے۔

عرب مصنفوں کے بیانات کی تصدیق چینی تواریخ سے بھی ہوتی ہے۔ ان کا بیان ہے کہ ترک لوگ ہمیشہ عربوں سے برسرپیکار رہتے تھے۔ جولائی ۷۵۱ء میں عربی امیر زیاد بن صالح نے ایک جنگ میں نہ صرف ترکوں کو شکست دی بلکہ اس چینی لشکر کو بھی ہزیمت دی جس کو فغفورِ چین نے کوریا کے ایک سپہ سالار کے جھنڈے تلے ترکوں کی امداد کے لیے بھیجا تھا۔[۱]

غرضیکہ چینیوں کی آمد سے سمرقند میں کاغذ سازی کی صنعت جاری ہو گئی۔ اہل سمرقند نے کاغذ کی تجارت شروع کر دی اور تمام اسلامی ملکوں میں سمرقند کا نام کاغذ کے لیے مشہور ہو گیا۔

خلیفہ ہارون الرشید کے عہد (۱۷۰ھ ۱۹۳ھ) میں اس کے وزیر فضل بن یحییٰ برمکی نے کاغذ سازی کا ایک کارخانہ دارالخلافہ بغداد میں قائم کیا اور چند ہی سال میں وہاں کاغذ اس کثرت سے تیار ہونے لگا کہ فضل کے جانشین جعفر بن یحییٰ برمکی نے سرکاری دفتروں میں قرطاس کی بجائے کاغذ کا استعمال شروع کر دیا۔

کاغذ سازی کی صنعت بغداد سے دوسرے اسلامی ملکوں میں پھیلی۔ جب یہ صنعت مصر میں جاری ہوئی تو وہاں بھی قرطاس سازی بتدریج بند ہو گئی۔ اور کاغذ کے رواج عام سے قرطاس کا استعمال تیسری صدی ہجری میں آہستہ آہستہ ہر جگہ متروک ہو گیا۔

۱- Maila, Histoire General de Chine, VI, 234.

مسلمان اقوام نے کاغذسازی میں روئی اور کتان کو خوب استعمال کیا۔ چونکہ یہ چیزیں اسلامی ملکوں میں بکثرت پیدا ہوتی تھیں اس لیے وہاں کاغذسازی نے خوب فروغ پایا اور کاغذ ارزاں قیمت پر دستیاب ہونے لگا۔ اس سے کتابوں کی نقل و اشاعت میں بڑی ترقی ہوئی اور علوم و فنون کی اشاعت میں بڑی مدد ملی۔

کاغذسازی کی صنعت یورپ میں

کاغذسازی کی صنعت مغرب کی طرف منتقل ہوتے ہوتے آخر کار اندلس یعنی سپین میں جا پہنچی۔ یورپ میں سپین پہلا ملک ہے جہاں اس صنعت نے اپنے قدم جمائے۔ وہاں شاطبہ (Jativa) کے شہر نے اس صنعت میں خاص نام پیدا کیا۔ کیونکہ شاطبہ کے علاقہ میں اعلیٰ قسم کا کتان (Linen) پیدا ہوتا تھا۔ الادریسی جو چھٹی صدی ہجری کا ایک مشہور و معروف عرب جغرافیہ نگار ہے، شاطبہ کے بارے میں لکھتا ہے کہ "وہاں کاغذسازی کے کارخانے ہیں جن میں ایسا اچھا کاغذ تیار ہوتا ہے کہ روئے زمین پر اس کی نظیر نہیں ملتی اور مشرق اور مغرب کے ملکوں میں بڑی بھاری مقدار میں برآمد ہوتا ہے۔" جب اہل ہسپانیہ نے شاطبہ کے علاقہ کو دوبارہ فتح کر کے عربوں کو وہاں سے نکال دیا تو شاطبہ میں کاغذسازی کی صنعت بدستور جاری رہی مگر اب یہ صنعت یہودیوں کے ہاتھ میں تھی۔

بارھویں صدی عیسوی میں قشتالہ (Castile) کے عیسائی بادشاہ نے اپنے ہاں شاطبہ کے نمونہ پر کاغذ تیار کیا اور اپنی مملکت میں اس کا استعمال جاری کیا۔ پھر تیرھویں صدی میں یہ صنعت اطالیہ میں پہنچی۔ جہاں فابریانو اور بولونیا (Bologna) کے شہروں نے اس فن میں خاص شہرت حاصل کی۔ چودھویں صدی میں فرانس میں کاغذسازی کے کارخانے جاری ہوئے اور بعد ازاں یورپ کے دوسرے ملکوں یعنی جرمنی اور انگلستان میں بھی یہ صنعت رواج پا گئی۔ اس طریق سے پندرھویں صدی کے خاتمہ تک یورپ میں کاغذ کا استعمال عام ہو گیا۔

کاغذ کے رواج سے پہلے یورپ والے لکھنے کے لیے پارچمنٹ یعنی چمڑا برتتے آئے تھے۔ چونکہ پارچمنٹ کمیاب اور گراں قیمت تھا، اس لیے وہاں کے عیسائی راہبوں اور پادریوں کا یہ عام دستور تھا کہ قدیم یونانی اور لاطینی تصانیف کی تحریروں کو مٹاتے اور پھر صاف شدہ چمڑے پر اپنی مذہبی تحریریں یعنی ورد وظیفے لکھتے تھے۔ اس طرح صدیوں تک یونان اور روما کا قدیم لٹریچر مٹتا رہا اور ان کے حکماء اور فلاسفہ کی بہت سی کتابیں ناپید ہوگئیں۔ عربوں نے کاغذسازی کو یورپ میں رواج دے کر علوم قدیمہ پر بڑا احسان کیا۔ اگر وہ اہل یورپ کو کاغذ مہیا نہ کرتے تو کلاسیکل لٹریچر نیست و نابود ہو جاتا۔

ہندوستان میں کاغذ کا رواج

ہندوستان میں کاغذ کے رواج سے پہلے لکھنے کے لیے مختلف چیزیں کام میں لائی جاتی تھیں۔ مثلاً تاڑ کے پتے بھوج پتر، اور سفید ریشمی کپڑا۔ تاڑ کے پتے لمبائی میں ایک ہاتھ اور چوڑائی میں تین انگل کے برابر ہوتے ہیں۔ ان پر لکھنے کے بعد ان کے درمیان سوراخ کرتے تھے اور ان میں دھاگہ ڈال کر ایک شیرازے میں جمع کر لیتے تھے۔

بھوج کے درخت کی چھال خاصی لمبی چوڑی ہوتی ہے۔ اس پر مہرہ کشی کرتے تھے جس سے وہ چھال مضبوط اور ملائم ہو جاتی تھی۔ اس کے ورق الگ الگ ہوتے تھے اس لیے ترتیب قائم رکھنے کے لیے ان پر ہندسے ڈال لیتے تھے اور کپڑے کے ٹکڑے میں لپیٹ کر حفاظت کے لیے لکڑی کی دو تختیوں کے درمیان باندھ لیتے تھے۔ اس قسم کی کتاب کو پوتھی کہتے ہیں۔ اس قسم کی پوتھیاں ہزاروں کی تعداد میں اب تک ہندوستان کے کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔

جس تحریر کو پائدار بنانا مقصود ہوتا تھا، اسے پتھر یا تانبے پر کھود دیتے تھے۔ چنانچہ مہاراجہ اشوک کے فرمان پتھر پر کندہ کیے گئے تھے اور ان میں سے بعض اب تک موجود ہیں۔ اسی طرح جاگیروں کے پروانے جو حکمرانوں کی طرف سے امیروں کو عطا ہوتے تھے

تانبے کی تختیوں پر منقوش کیے جاتے تھے۔ اس قسم کی تختیاں ہندوستان کے کئی عجائب خانوں میں اب تک محفوظ ہیں۔

ہندوستان میں کاغذ کا رواج اسلامی عہد میں ہوا اور کاغذ سازی کی صنعت یہاں غالباً ترکستان یا خراسان ہی سے آئی ہوگی۔ ابتدا میں لاہور اور دہلی اسلامی حکومت اور حضارت کے مرکز تھے، اس لیے کاغذ سازی کے کارخانے شاید انہی شہروں میں قائم ہوئے ہوں گے مگر ہمارے پاس اس بارے میں تا حال کوئی قطعی شہادت موجود نہیں۔ سب سے پہلی تاریخی شہادت کشمیر کے بارے میں ہے۔ تواریخ کشمیر کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان سکندر بادشاہ کشمیر کا ایک بیٹا شاہی خاں تھا جو امیر تیمور کے حملہ ہند کے بعد اس کے ہمرکاب سمرقند گیا اور وہاں کئی سال تک مقیم رہا۔ جب کشمیر واپس آیا تو وہ ہر فن کے باکمال کاریگر اپنے ساتھ لایا۔ ان میں کاغذ ساز اور جلد ساز بھی تھے۔ جب شاہی خاں زین العابدین کے لقب سے کشمیر کے تخت حکومت پر بیٹھا تو اس نے ان کاریگروں کی سرپرستی کو شاہانہ انداز میں جاری رکھا۔ کشمیری لوگ بڑے ذہین اور چابکدست کاریگر ہیں، انھوں نے کاغذ سازی کے فن میں خوب ترقی کی۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں کشمیر میں ایسا عمدہ اور اعلیٰ کاغذ تیار ہونے لگا کہ شاہان کشمیر دوسرے ملکوں کے حکمرانوں کے پاس اپنے ملک کی دوسری نادر اشیاء کے ساتھ اپنے ہاں کا بنا ہوا کاغذ بھی بطور تحفہ بھیجنے لگے۔

کاغذ کی صنعت رفتہ رفتہ ہندوستان کے تقریباً ہر ایک صوبہ میں جاری ہو گئی اور تاریخی شہادتوں سے پتہ چلتا ہے کہ اودھ، بہار، بنگالہ اور گجرات میں کاغذ سازی کے کارخانے قائم ہو چکے تھے۔ ہر ایک مقام کے کاغذ کی خاص خاص صفات تھیں۔ کیونکہ کاغذ کی تیاری میں مختلف صوبوں میں جو خام اشیاء برتی جاتی تھیں، ان میں قدرے اختلاف تھا، مثلاً بنگال کے کاغذ ساز سن (Jute) کو زیادہ کام میں لاتے تھے اور اودھ والے بانس کے ریشے کو۔ ممکن ہے بنانے کے طریقہ میں بھی اختلاف ہو۔ چنانچہ احمد آباد گجرات کا کاغذ

سفید اور چکنا اور اودھ کا کاغذ بیز اور پائدار ہوتا تھا۔

اس صنعت میں پنجاب بھی دوسرے صوبوں سے پیچھے نہ رہا۔ سیالکوٹ میں کاغذ بنانے کے بہت سے کارخانے تھے جن کے الگ الگ نام تھے۔ سیالکوٹی کاغذ سفید اور مضبوط ہوتا تھا، اور تمام صوبے میں برتا جاتا تھا اور بہی کھاتوں کے لیے اب بھی کام میں آتا ہے۔

مغلیہ عہد کا مصنف سجان رائے سیالکوٹ کے متعلق لکھتا ہے کہ اس شہر میں عمدہ کاغذ تیار ہوتا ہے جو سفید، صاف اور پائدار ہے۔ خصوصاً دو اقسام جو مان سنگھی اور خاصۂ جہانگیری کے نام سے مشہور ہیں۔ سجان رائے کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مغل شہنشاہ اور ان کے امراء کاغذ سازی میں بھی دلچسپی لیتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ان کی توجہ اور سرپرستی کی بدولت کاغذ سازی کے فن کو بہت فروغ حاصل ہوا ہوگا اور کاغذ کی عمدگی پر خوشگوار اثر پڑا ہوگا۔

إِنَّمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا وَتَخْلُقُونَ إِفْكًا ۚ إِنَّ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوا عِنْدَ اللَّهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوهُ وَاشْكُرُوا لَهُ ۖ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝ (قرآن)

تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر محض بتوں کو پوج رہے ہو اور (اس کے متعلق) جھوٹی باتیں تراشتے ہو تم خدا کو چھوڑ کر جن کو پوج رہے ہو وہ تم کو کچھ بھی رزق دینے کا اختیار نہیں رکھتے سو تم لوگ رزق خدا کے پاس سے تلاش کرو اور اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکر کرو اور تم سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔